

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات

(ایک شرعی جائزہ)

خلیل الرحمن

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی، کراچی

Abstract

The thesis under consideration introduces the term of surcharge with its historical background to highlight its importance. It has been noted that after the transactions have been made the payer (debtor) often resorts to delaying tactics, therefore, to curb such untoward situations the contracting parties stipulate certain conditions in the contract that in case the debtor delays the payment he/she will have to pay a certain surcharge as a fine. In historical perspective, the term "surcharge" was not used among the jurists of early times but it has been derived from the modern laws.

In the course of research the following important points have also come forth:

As far as imposing surcharge in case of transaction is concerned, the surcharge could only be imposed if the debtor is a rich person and tries to avoid setting off his/her liabilities promptly. In case the debtor is a poor guy neither the surcharge can be imposed nor any monetary considerations be demanded, as the Allah Almighty says in the Holy Quran: If there is one in misery, then (the creditor should allow) deferment till (his) ease. [Al-baqrah: 280]

The article can be divided into three the following important parts:

1. The surcharge that is imposed on the debtor solely because of delay in the payment which is categorically impermissible as it is has been unanimously agreed upon that such terms are nothing but interest.
2. Similarly another such condition has also been put under consideration wherein some contemporary Islamic scholars have tried to find a solution to avoid the delaying tactics in case of transactions based on credit sales. For example, the Islamic banks, while making a contract under the mode of murabaha, stipulate in the agreement that the debtor

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

shall undertake to pay a certain amount as charity.

3. In addition to the above mentioned modes of transactions, some relevance has also been tried to seek in the contemporary transaction based on credit sales, and with due arguments, it has been proved that such transactions have conditions which are nothing but interest and, therefore, due to such conditions the transactions based on them are void too.

Key Words: Financial matters, contract, surcharge, repayment

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی اہمیت

مالی معاملات (Financial Matters) میں متعاقدین (Parties to the Contract) کا شرط لگانا، ان معاملات کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ محض عقود کے صیغہ استعمال کر کے مطلوبہ معیارات طے کرنا، انکی تفصیلات پر اتفاق ہونا اور نزاعات کی صورت میں واقعی نتائج حاصل کرنا عقلاً بھی ناممکن ہے، لہذا عقود کی تفصیلات شرائط کے ذریعے طے کی جاتی ہیں، چاہے انہیں باضابطہ تحریری طور پر طے کیا جائے یا محض زبانی طور پر فریقین کے اتفاق سے طے ہوں یا پھر عرف و عادت کی بناء پر انہیں عقود میں ملحوظ رکھا جائے۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اب لوگوں میں دیانت اور ایفاء عہد کا معاملہ تمام شرعی اور اخلاقی حدود کو بالائے طاق رکھ کر محض فوائد کے حصول کو اپنی مساعی کا نتیجہ قرار دینے تک پہنچ چکا ہے۔ مارکیٹ میں جھوٹ، وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور فریب کے وہ طریقے وجود میں آ گئے ہیں کہ جن کے برے اثرات صرف ایک تاجر پر نہیں، بلکہ پورے معاشرے پر پڑتے ہیں اور پوری معیشت اپنا توازن کھو کر ہچکولے کھاتی ہوئی ڈھب سے بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے اب عصر حاضر کے مالی معاملات میں اور خصوصاً مالیاتی اداروں میں شرائط ناگزیر ہو گئی ہیں۔

اسی طرح ان شرائط میں سے عصر حاضر کے مالی معاملات میں شرط جزائی کی اہمیت اور اس کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ جب اس دور میں معاملات کی نئی شکلیں وجود میں آ رہی ہیں اور حال یہ ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے، ہر ایک تاجر اس خوف میں ہوتا ہے کہ اگر میں شرائط کے بغیر معاملہ طے کروں تو میرا سارا سرمایہ ڈوب کر خسارے کا شکار ہو جائے گا اور خریدار میرے ساتھ دھوکہ دہی اور ٹال مٹول والا معاملہ اختیار کرے گا تو اس پریشانی کے سد باب کے لیے معاملات میں شرط لگائی جاتی ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہر ایک کا سرمایہ محفوظ رہے اور ایک دوسرے کو ٹال مٹول کا موقع بھی نہ ملے، کیونکہ اگر کوئی ٹال مٹول کرتا ہے تو فوراً اس پر وہ شرط لاگو ہوگی، جو معاملے کے شروع میں سد باب کے لیے لگائی گئی تھی، ان میں سے آج کل کے معاملات میں ”شرط جزائی“ (جرمانہ) کو کافی اہمیت حاصل ہے اور یہ شرط زیادہ تر دو قسم کے معاملات میں پائی جاتی ہے: ایک ادھار معاملات میں، جن میں اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے معاملات میں بھی اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن زیر نظر مقالہ میں دیگر معاملات میں شرط کا جائزہ چونکہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے، اس لئے فی الحال ادھار

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

معاملات (Debit Contract) میں ”شرط جزائی“ کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

شرط جزائی کی تعریف

”شرط جزائی“ چونکہ ایک مرکب اضافی ہے، جو شرط اور جزا دونوں کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کی تعریف اس پر موقوف ہے کہ پہلے شرط اور جزا دونوں کی الگ الگ تعریفات کی جائیں، پھر اس کے بعد ”شرط جزائی“ کی تعریف کی جائے۔

شرط کی تعریف

شرط (Condition) عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ”علامت و نشانی“، ”توثیق“، ”اور الزام و التزام“ لیکن معاملات میں شرط کا آخری معنی یعنی ”الزام و التزام“ زیادہ مشہور ہے، جیسا کہ خرید و فروخت یا دیگر معاملات اور عقود کے اندر متعاقدين کا اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کر لینے یا کسی دوسرے شخص پر کوئی چیز لازم اور ضروری قرار دینے کو شرط (Condition) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے:

”والشرط الزام الشئى والتزامه فى البيع ونحوه والجمع شروط“ (۱)

”بیع یا اس جیسے معاملے میں اپنے اوپر یا کسی دوسرے پر کسی چیز کو لازم کر لینے کو شرط کہتے ہیں۔ اس کی جمع شروط آتی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں شرط بمعنی ”الزام و التزام“ استعمال ہوتی ہے، جس سے متعاقدين کے ذمے خرید و فروخت یا دیگر معاملات کے اندر ”الزام یا التزام“ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عاقد اپنے اوپر کسی چیز کو لازم یا دوسرے پر کوئی چیز لازم اور ضروری قرار دیتا ہے۔

شرط کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں ”شرط“ ایک ایسی چیز کا نام ہے، جس کے عدم وجود سے مشروط (Condition) کا عدم وجود لازم آتا ہے، لیکن اس کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدم وجود لازم نہیں آتا یعنی جس کے نہ ہونے سے مشروط (حکم) بھی موجود نہیں ہوتا اور اس کی موجودگی سے حکم کا ہونا اور نہ ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے حوالانِ حول (سال کا گزرنا) شرط ہے اور زکوٰۃ کا وجوب مشروط ہے، مثلاً ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، لیکن اس کے مال پر سال نہیں گزرا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ یہاں شرط (حوالانِ حول) موجود نہیں ہے تو اس (شرط) کے انتفاء سے وجوب زکوٰۃ (مشروط) کا انتفاء لازم آتا ہے، لیکن شرط کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدم وجود لازم نہیں۔ جیسا کہ بعض دفعہ مال پر سال گزرا بھی جاتا ہے لیکن مذکورہ شخص مقروض ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ (مشروط) منسفی ہو جاتا ہے۔

شرط کی تعریف کے بارے میں علامہ بدران اپنی کتاب ”المدخل“ میں لکھتے ہیں:

”ما يلزم من عدمه العدم ولا يلزم من وجوده وجود ولا عدم لذاته وذلك....“

”كالحول الذى هو شرط وجوب الزكاة ينتفى وجوبها لانقائه فلا تجب الا عند“

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

تمام الحول“ (۲)

”شرط وہ ہے، جس کے نہ پائے جانے سے مشروط کا نہ پایا جانا لازم آتا ہے، اور اس کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدم وجود لازم نہیں آتا، جیسا کہ ”حولانِ حول“ وجوبِ ذکوۃ کے لیے شرط ہے تو اس کے انتفاء سے وجوبِ ذکوۃ کا انتفاء لازم آتا ہے۔ پس یہ سال کے گزرنے پر واجب ہوگی۔“

جزا کی لغوی تعریف

جزا (Repayment) عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے کئی معانی آتے ہیں: مثلاً کسی چیز کا ”عوض“ اور ”بدلہ دینا“ اور اسی طرح کسی دوسری چیز کو ”قائم مقام“ بنانے کو ”جزا“ کہتے ہیں پھر یہ جزا یعنی بدلہ دینا یا کسی چیز کا عوض مقرر کرنا عام ہے خواہ وہ بطور انعام ہو یا بطور ”سزا“ جس پر ثواب اور عقاب دونوں مرتب ہوتے ہیں یا اس کے معنی ”مکافات علی العمل“ کے ہیں یعنی کسی عمل کے مطابق بدلہ دینے اور اس پر اکتفا کرنے کو جزا کہتے ہیں، جیسا کہ اگر کوئی خیر کا کام ہو تو اس کا بدلہ بھی خیر کا ملے گا لیکن اگر کوئی کام شر کا ہو تو اس کا بدلہ بھی شر کا ملے گا۔ چنانچہ اس کے بارے میں ”لسان العرب“ میں ہے:

(جزی) الجزاء المكافاة علی الشئ جزاء به وعلیه جزاء وجزاء مجازاة

و جزاء الجزاء یكون ثواباً ویكون عقاباً. (۳)

اسی طرح ”معجم مقاییس اللغة“ میں ہے:

(جزی) الجیم والنزاء والیاء : قیام الشئ مقام غیره ومکافاتہ ایاہ . یقال جزیت فلانا

أجز به جزاء . وجزایتہ مجازاة، وهذا رجل جازیک من رجل ، أى حسبک .

ومعناه أنه ینوب مناب کل أحد، كما تقول کافیک و ناهیک. (۴)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ”جزا“ کے معنی لغت میں عام ہیں، خواہ وہ ”عوض“ اور ”بدلہ“ کسی ”ثواب یا عقاب“ کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔

جزا کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں ”جزا“ ایک عام عوض اور سزا کو کہتے ہیں، چاہے مادی ہو یا معنوی، اور یہاں پر اس سے وہ مالی معاوضہ اور جرمانہ (Penalty) اور مالی معاوضہ مراد ہے، جو کسی انسان کے ذمے میں اس وقت لازم ہوتا ہے، جب وہ معاملات کے اندر طے شدہ شرائط میں غفلت سے کام لے یا ان کے اہتمام اور نفاذ کا خیال نہ کرے۔ جیسا کہ ”الدكتور محمد الزحیلی“ نے جزا کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

هو العقوبة سواء كان مادية أو معنوية والمراد منها هنا العقوبة المالية عند الاخلال

بالشرط أو مخالفتة أو عدم تنفيذه. (۵)

”یہ ایک سزا ہے، چاہے مادی ہو یا معنوی اور یہاں پر اس سے وہ مالی جرمانہ مراد ہے جو طے شدہ شرط میں

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

خلل واقع کرنے کی صورت میں یا اس کی مخالفت اور عمل پیرا نہ ہونے کے وقت ذمہ میں لازم ہوتا ہے۔“

شرط جزائی کا تاریخی پس منظر

”شرط جزائی“ (Penalty Clauses) عصر حاضر کے مالی معاملات میں ایک جدید اور قانونی اصطلاح ہے۔ قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ اس کی صورت مغربی قوانین میں موجود اور معروف تھی، جیسا کہ فرانسیسی قانون میں اسے (Clause Penal) اور انگریزی قانون میں (Penalty and liquidated damages) کہا جاتا ہے اور عربی قوانین میں سب سے پہلے مصری قانون نے اس صورت کو اخذ کیا اور بعد میں دیگر عربی قوانین میں بھی یہ صورت اور اصطلاح مشہور ہوئی اور انہوں نے بھی اپنے قانون میں اس کو شامل کیا۔ (۶) اب عصر حاضر کے علماء بھی اس سے بحث کرتے ہیں، کیونکہ مالی معاملات پر لکھی گئی جدید کتابوں میں بعض حضرات شرط جزائی کے حوالے سے بھی گفتگو کرتے ہیں۔ ”شرط جزائی“ اردو زبان میں ایک مرکب اضافی ہے جس کے معنی ہیں ”جرمانہ کی شرط“ یعنی وہ شرط جو متعاقدین کسی معاملے کے دوران طے کریں کہ اگر طے شدہ معاہدے پر کسی نے عمل نہ کیا تو اس کی وجہ سے اس کے عوض یا جرمانے کے طور پر کوئی مقررہ بدلہ لیا جائے گا اور یہ چونکہ قانون کی ایک اصطلاح ہے۔ اس لیے اس کی تعریف پہلے قانون کی کتابوں سے ذکر کی جاتی ہے۔

قانون وضعی (Law) میں شرط جزائی کی تعریف

اس کی تعریف مصر کے ماہر قانون ”علامہ السنبوری“ نے یہ کی ہے:

أنه اتفاق بين متعاقدين على مقدار التعويض الذي يستحقه الدائن اذا لم يقيم المدين بالتزامه وهذا هو التعويض عن عدم التنفيذ، أو على مقدار التعويض الذي يستحقه الدائن اذا تأخر المدين في تنفيذ التزامه وهذا هو التعويض عن التأخير. (۷)

”متعاقدين کا جرمانہ کی اس مقدار پر اتفاق کرنا جس کا دائن (اس وقت) مستحق ہوتا ہے، جب مدیون دین کی ادائیگی کا اہتمام نہ کرے اور یہ جرمانہ اس چیز (شرط) کے عوض ہے جس کا مدیون لحاظ نہ رکھے یا دائن اس مقدار کا مستحق ہوتا ہے، جب مدیون دین ادا کرنے میں تاخیر کرے تو پھر یہ جرمانہ تاخیر ہی کے عوض ہوگا۔“

ذی الدین شعبان نے یہ تعریف کی ہے:

اتفاق المتعاقدين ، مقدما على مقدار التعويض الذي يستحقه الدائن ، اذا لم يقيم المدين بتنفيذ التزامه. (۸)

”متعاقدين کا پہلے سے کسی ایسے معین عوض کی مقدار پر اتفاق کر لینا جس کا دائن مستحق ہوتا ہے، جب مدیون کسی عائد کردہ شرط کو پورا نہ کرے، یا اس میں تاخیر کرے۔“

اسی طرح پاکستان کے آئین (Constitution of Pakistan) 1872ء کے کنٹرکٹ ایکٹ دفعہ (74)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

میں ہے:

Compensation for breach of contract where penalty for:

When a contract has been broken, if a sum is named in the contract as the amount to be paid in case of such breach, or if the contract contains any other stipulation by way of penalty, the party complaining of the breach entitled, whether or not actual damages or loss is proved to have been caused thereby, to receive from the party who has broken the contract reasonable compensation not exceeding the amount so named or as the case may be, the penalty stipulated for. (۹)

”ٹھیکہ داری میں عہد شکنی کی صورت میں تاوان وصول کرنا۔ اگر کسی ٹھیکے کو ختم کر دیا جاتا ہے تو اگر اس ٹھیکہ داری میں کچھ پیسے اس نام سے مختص ہو کہ یہ پیشے عہد شکنی کی صورت میں واجب الاداء ہوں گے۔ یا ٹھیکے میں مالی تعاون کے حوالے سے کوئی شرط موجود ہو تو چاہے شکایت کرنے والی پارٹی نقصان یا خرابی کا ثبوت پیش کرے یا نہیں، دونوں صورتوں میں وہ رقم واجب الاداء ہوگی یہ رقم شکایت کرنے والی پارٹی عہد شکنی کرنے والی پارٹی سے وصول کرے گی اور یہ رقم ٹھیکے میں مختص رقم سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔“

شرط جزائی (Penalty Clauses) کی تعریف معاصر فقہاء کی نظر میں

معاصر علماء نے شرط جزائی کی تعریف مختلف عبارات اور قیودات کے ساتھ کی ہے، جن میں سے چند کی تعریف ذیل میں لکھی جاتی ہے: ڈاکٹر محمد صدیق الضریر شرط جزائی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشرط الجزائی هو اتفاق بين المتعاقدين على تقدير التعويض الذي يستحقه من شرط له، عن الضرر الذي يلحقه، اذالم ينفذ الطرف الآخر ما التزم به، أو تأخر في تنفيذه. (۱۰)

”شرط جزائی سے مراد فریقین کا کسی معاملے میں عوض کی اُس مقدار پر اتفاق کر لینا ہے کہ جس کا شرط لگانے والا مستحق ہوتا ہے اس ضرر کے بدلے جو اس کو لاحق ہو، جب فریق ثانی عائد کردہ شرط کو پورا نہ کرے یا اس میں تاخیر کرے۔“

الرویشد نے شرط جزائی کی یہ تعریف کی ہے:

اتفاق تابع يحدد بموجبه الطرفان مسبقاً التعويض أو العقوبة عند عدم التنفيذ أو لتأخر فيه. (۱۱)

”شرط جزائی ایک ایسے ضمنی اتفاق کا نام ہے، جس کے سبب فریقین کسی معاملے میں پہلے ہی سے کوئی عوض اور بدل یا سزا مقرر کر لیتے ہوں، جب کوئی فریق طے شدہ شرط کو پورا نہ کرے یا اس میں تاخیر

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

کرے۔“

محمد بن عبدالعزیز بن سعد البہمی نے یہ تعریف کی ہے:

التزام زائد، يتفق بموجبه المتعاقدان على تعيين التعويض الشرعي الذي يستحق عند الاخلال الاختياري المضر بالمشترط (۱۲)

”کسی ایسی زائد چیز کا التزام کرنا جس کے ذریعے فریقین اُس شرعی عوض کو متعین کر لینے پر متفق ہوں اور شرط لگانے والا تب مستحق ہوگا جب فریقِ ثانی اس میں اپنے اختیار سے کوئی ایسی کوتاہی کرے جو شرط لگانے والے کے حق میں مضر ہو۔“

قانون اور فقہ کی روشنی میں شرط جزائی میں فرق

قانون اور فقہ کی روشنی میں شرط جزائی کی تعریفات ہوجکی ہیں، لیکن ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قانون میں شرط جزائی عام ہے جو تمام معاملات خواہ وہ ادھار معاملات ہوں یا معاملات معاوضہ یا کوئی اور معاملہ ہو، ہر ایک میں لگانا درست ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک ادھار معاملات میں شرط جزائی درست نہیں، بلکہ فقہاء کے نزدیک بعض عقود مثلاً استصناع اور مقاولات وغیرہ میں یہ شرط جائز ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام عقود خواہ وہ مدانیات ہی کیوں نہ ہوں ان میں بھی جائز ہے، جیسا کہ ”فقہ البیوع“ کے حاشیہ میں بھی اس بات کی وضاحت آئی ہے۔ چنانچہ ”مفتی تقی عثمانی“، تحریر فرماتے ہیں:

فظهر بهذا أن الشرط الجزائي له مفهوم عام يشمل كثير من العقود ، حتى أنه يجوز في القانون الوضعي اشتراط الشرط الجزائي في المدانيات ، وهو محرم شرعاً لتضمنه الربا، ولذلك اجازة الشرط الجزائي في بعض العقود مثل الاستصناع والمقاولات لا تستلزم أن يباح الشرط الجزائي في جميع العقود. (۱۳)

”پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شرط جزائی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، جو بہت سے عقود اور معاملات کو شامل ہے، یہاں تک کہ آئینی قانون میں تو مدانیات کے اندر بھی شرط جزائی کی شرط لگانا درست ہے، جب کہ شرعاً یہ حرام ہے کیونکہ اس میں ربا (سود) پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ استصناع اور مقاولات جیسے بعض معاملات میں شرط جزائی کی اجازت دینے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ تمام عقود میں اس کو جائز قرار دے دیا جائے۔“

شرط جزائی کا ثبوت فقہ اسلامی میں

معاصر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ”شرط جزائی“ ایک نئی اصطلاح ہے۔ ذخیرہ فقہ میں اس اصطلاح کا استعمال اس نام سے قدیم فقہاء کے نزدیک نہیں ہوا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس نام کے علاوہ اس کی کچھ صورتیں یا اس کے مشابہ کوئی صورت قدیم فقہاء کے ہاں رائج تھی یا نہیں؟ (۱۴)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

اس بارے میں دو قول ہیں:

..... پہلا قول یہ ہے کہ یہ ایک جدید اصطلاح ہے اور اس کی تمام صورتیں جدید ہیں۔ اس کی کوئی صورت بھی اس سے پہلے نہ رائج تھی اور نہ اس جیسی کوئی اور اس مشابہ کی صورت موجود تھی۔

..... دوسرا قول یہ ہے کہ قدیم فقہاء کے نزدیک اس نام سے اور اس کی تمام صورتیں اگرچہ موجود نہیں تھیں۔ البتہ اس کے مشابہ بعض صورتیں موجود تھیں، جیسا کہ قاضی شریحؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص خوشی سے بغیر کسی جبر کے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کر دے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔

چنانچہ روایت میں ہے:

وقال ابن عون عن ابن سيرين قال رجل لكرهه ارحل ركابك فان لم ارحل معك يوم كذا وكذا فلنك مائة درهم فلم يخرج فقال شريح من شرط على نفسه طائعا غير مكره فهو عليه. (۱۵)

”ابن عون، ابن سيرین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تم اپنی سواری کسو، اگر میں فلاں فلاں دن تمہارے ہمراہ نہ چلوں تو تمہیں سو درہم دوں گا، پھر وہ اس دن نہیں گیا، شریحؒ نے کہا کہ جو شخص خوشی سے بغیر کسی جبر کے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سواری والے سے کہا جائے کہ مجھے فلاں (متعین) دن سفر پہ جانا ہے، تم میرے لیے سواری تیار کر کے رکھو اور وہ یہ کہہ دے کہ مجھے کیا معلوم کہ آپ جائیں گے یا نہیں؟ ویسے ہی میں تیاری کروں، اس پر محنت کروں اور آپ پھر نہ جائیں، تو وہ (اپنی مرضی سے) کہتا ہے کہ اگر میں نہ گیا تو تمہیں سو درہم دوں گا۔ جب بعد میں وہ نہیں جاتا تو اس سے وہ سو درہم جو اس نے اپنے اوپر لازم کر کے تھے وصول کیے جائیں گے۔ یہی بات مذکورہ بالا روایت میں قاضی شریحؒ نے کہی ہے، جس پر انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے ذمے خوشی سے کوئی رقم واجب کر لی، اسے اس التزام پر کسی نے مجبور نہیں کیا تھا تو وہ اس کے ذمہ لازم ہوگئی۔ اسی وجہ سے بعض معاصر فقہاء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ ”شرط جزائی“ (Penalty Clause) کی اصطلاح اگرچہ قدیم فقہاء کے ہاں رائج نہیں تھی، لیکن اس کے مشابہ صورت جو بیع العربون (بیعانہ) کی شکل میں ہے، موجود تھی، لہذا یہ ”شرط جزائی“، بھی عربون کے مشابہ ایک صورت ہے۔ چنانچہ کہ اس بارے میں ”الشیخ مصطفیٰ الزرقاء“ لکھتے ہیں:

وهذا النوع من الاشتراط المروى عن القاضى شريح فى ضمان التعويض عن التعطل

والانتظار ما يسمى فى الفقه الأجنبى الحديث: الشرط الجزائى (۱۶)

”شرط کی یہ قسم جو قاضی شریحؒ سے تعطل اور انتظار کے بدلے کے ضمان میں مروی ہے، وہی ہے، جسے جدید

قانون میں ”شرط جزائی“ کہا جاتا ہے۔“

جن حضرات نے ”شرط جزائی“ کو عربون کے مشابہ تسلیم کیا ہے۔ وہ درج ذیل وجہ کی بناء پر اس کی مشابہت کے قائل

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

ہیں۔

”شرط جزائی“ اور عربوں میں سے ہر ایک کچھ مخصوص عوض مقرر کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ ”شرط جزائی“ نام ہے اس عوض کا جو عقد میں خلل واقع کرنے کی صورت میں دینا پڑتا ہے اور عربوں نام ہے اس عوض کا جو عقد سے اعراض کی صورت میں دینا پڑتا ہے۔ البتہ ان کے درمیان جو فرق ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ فرق درج ذیل ہیں:

☆ بیعہ اس حق کے مقابلہ میں آتا ہے جب خریدار عقد سے رجوع کرے، یعنی خریدار کا عقد سے رجوع کرنے کے مقابلے میں عربوں (بیعہ) آتا ہے اور شرط جزائی اس ضرر کے بدلے میں مقرر کی جاتی ہے، جو مدیون کا عدم اہتمام کی وجہ سے دائن کو لاحق ہوتا ہے۔

☆ عربوں خریدار کا عقد سے رجوع کرنے کے وقت لازم ہوتا ہے، اگرچہ رجوع کرنے سے کوئی ضرر نہ پایا جائے، کیونکہ وہ رجوع کرنے کے بدلے میں آتا ہے، جبکہ شرط جزائی کا استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب دائن کو ضرر پہنچ جائے۔ اس لیے کہ یہ عوض ضرر کے مقابلے میں آتا ہے۔

☆ قاضی کی طرف سے عربوں میں کی پیشی جائز نہیں، جبکہ شرط جزائی میں کی پیشی جائز ہے۔

☆ بیع عربوں میں عقد نافذ کرنے اور اس کو ترک کرنے کا خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے، جبکہ جس عقد میں شرط جزائی لگائی جائے، اس میں مدیون کو اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس پر طے شدہ معاہدہ کا نفاذ لازم ہوتا ہے جب تک ممکن ہو۔ (۱۷)

ترجیح

درج بالا فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے احقر کی رائے یہ ہے کہ ”شرط جزائی“ ایک جدید شرط ہے، جو عصر حاضر کے مالی معاملات میں نزاع اور ضرر کے سد باب کے لیے لگائی جاتی ہے اور اس کی کوئی صورت یا اس کے مشابہ کوئی صورت قدیم فقہ میں موجود نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دُیون میں شرط جزائی کا حکم اور اس کی عصری تطبیقات (Conforming) اور اثرات

نوٹ: اگر مدیون غریب اور مجبور ہے تو اس کے حق میں بالاتفاق کوئی شرط قابل قبول نہیں، کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ اس کی تنگدستی دور ہونے تک دائن انتظار کرے گا، جب وہ مالدار ہو جائے تو اس کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ (۱۸)

”اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔“

ادھار معاملات (Credit Contract) میں ٹال مٹول کرنے والے مالدار مدیون کے بارے میں جو شرط لگائی جاتی ہے، اس کے بارے میں ذیل میں قدرے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے:

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

شرط جزائی کی صورت اور اس کا شرعی حکم

اس سے مراد وہ شرط ہے جس میں متعاقدین متفقہ طور پر پہلے سے ہی کسی دین کی ادائیگی (Payment) میں مقررہ مدت میں تاخیر (Delay) کرنے پر اضافی مال واجب کرنے کی شرط لگا دیں مثلاً کسی فروخت کنندہ (Seller) نے کوئی گاڑی ادھار بیچی اور دوران عقد اس نے یہ شرط لگائی کہ اگر خریدار (Buyer) نے مقررہ مدت میں رقم ادا کرنے میں تاخیر کی تو وہ جرمانے کے طور پر ہر مہینے کی تاخیر کے عوض دس ہزار روپے اضافی دے گا یا ہر مہینے کی تاخیر پر کل رقم کے پانچ فیصد اضافی رقم دے گا یا تاخیر کے عوض مقررہ رقم اضافی طور پر ادا کرے گا مثلاً لاکھ یا دو لاکھ وغیرہ، خواہ یہ شرط کسی بھی ادھار معاملہ مثلاً بیع الممۃ، جل کے شمن میں یا عقد استصناع کے شمن مومجل میں لگائی جائے، بس صرف اس میں کسی کے ذمے دین آ رہا ہو جس میں وہ تاخیر کر رہا ہو، چاہے یہ شرط کوئی بینک لگا دے یا کوئی کمپنی یا کسی عاقد کی طرف سے لگائی جائے۔ اب اس کا کیا حکم ہے اور معاملات مداینات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

حکم

مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط متفقہ طور پر فاسد اور باطل ہے جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد اور باطل ہو جاتا ہے، جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط صریح ربا اور سود (Interest) پر مشتمل ہے اور سود (ربا) چونکہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کی نظر میں حرام اور ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شرط سود پر مشتمل ہو، وہ ناجائز ہے، جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد (ناجائز) ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دیون میں ”شرط جزائی“ کے بارے میں مذاہب اربعہ کے فقہائے کرام نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ شرط چونکہ بلا عوض ایک مشروط زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے یہ صریح ربا یا شبہ ربا ہونے کی بناء پر فاسد اور باطل ہے، جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں علامہ خطاب المالکی تحریر فرماتے ہیں:

إذا التزم المدعى عليه، (المدین)، للمدعى أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فله عليه كذا و كذا، فهذا لا يختلف في بطلانه، لأنه صريح الربا، و سواء كان الشيء الملتزم به من جنس الدين أو غيره و سواء كان شيئاً معيناً أو منفعة وقد رأيت مستنداً بهذه الصفة و حكم به، بعض قضاة المالكية الفضلاء بموجب الالتزام و ما أظن ذلك إلا غفلة منه. (۱۹)

”جب مدعی علیہ (قرض دار) اپنے اوپر مدعی (قرض خواہ) کے لیے یہ بات لازم کر لے کہ اگر اس (مدعی علیہ) نے فلاں وقت تک اس کا حق پورا کر کے ادا نہیں کیا تو اس کے ذمے مزید اتنا اضافہ ہوگا تو اس (شرط) کے باطل اور فاسد ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ صریح ربا اور سود پر مشتمل ہے، خواہ وہ مشروط شیء دین کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ شیء معین ہو یا اس میں کوئی منفعت ہو۔ (علامہ خطاب فرماتے ہیں کہ) میں نے بعض مالکی قاضیوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس کے التزام کے قائل تھے اور میں

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

”سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ان کی غفلت کی وجہ سے ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرط دیون میں تاخیر کرنے پر بغیر کسی عوض کے مشروط زیادتی پر مشتمل ہو یا اس کے عوض میں مدت ہو۔ اسے ربا کی وجہ سے فاسد قرار دیا جائے گا، کیونکہ دین میں تاخیر کرنے پر یا اس میں مزید مہلت دینے پر اضافی مال مشروط قرار دیا جاتا ہے، جس پر علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہ شرط اس ربا (سود) کو شامل ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ”علامہ ابن عبد البر“ رقمطراز ہیں:

و أجمع العلماء من السلف و الخلف أن الربا الذي نزل القرآن بتحريمه هو أن يأخذ صاحب الدين لتأخير دينه بعد حلوله عوضاً عيناً أو عوضاً وهو معنى قول العرب إِمَّا أَنْ تَقْضَى وَ مَا أَنْ تُرْبَى؟ (۲۰)

”منتقدین اور متاخرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں جس ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے جو دین کی میعاد پوری ہونے کے بعد تاخیر کی وجہ سے بطور عوض دائن وصول کر لیتا ہے خواہ وہ عین ہو یا کوئی سامان ہو اور یہی معنی ہے عربوں کے اس قول کا ”کہ یا تو آپ دین ادا کر دو یا اس میں زیادتی کرو۔“

اسی طرح ”علامہ نووی“ لکھتے ہیں:

يحرم كل قرض جر منفعة كشرط رد الصحيح عن المكسر أو الردىء و كشرط رده ببلد آخر فان شرط زيادة في القدر حرم إن كان المال ربوياً و كذا إن كا غير ربوي على الصحيح.... فان جرى القرض بشرط من هذه فسد القرض على الصحيح فلا يجوز التصرف فيه. (۲۱)

”ہر وہ قرض جو منفعت کو کھینچ کر لائے۔ وہ حرام ہوتا ہے، جیسا کہ ردی اور مکسور چیز کے عوض میں درست چیز کو واپس کرنے کی شرط لگانا اسی طرح کسی دوسرے شہر میں سپرد کرنے کی شرط لگانا، پس اگر قدر میں زیادتی کی شرط لگادی گئی تو صحیح قول کے مطابق تو اس کو حرام قرار دیا جائے گا، خواہ مال ربوی ہو یا نہ ہو... اگر کسی نے مذکورہ شرط (زیادتی) کے ساتھ قرض کسی کو دے دیا، صحیح قول کے مطابق وہ قرض فاسد ہوگا اور اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا۔“

اسی طرح ”علامہ الکاسانی“ تحریر فرماتے ہیں:

و أما الذي يرجع الى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جر منفعة فان كان لم يجز... ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا لأنها فضل لا يقابلها عوض و التحرز عن حقيقة الربا و عن شبهة الربا و احب هذا إذا كانت الزيادة مشروطة في القرض. (۲۲)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

”اور وہ شرط جس کا تعلق قرض (دین) سے ہے وہ یہ ہے کہ اُس میں کسی منفعت کا حصول نہ ہو، اگر اس میں کسی نفع کی شرط لگائی جائے تو یہ جائز نہیں۔۔۔ اور اس لیے کہ یہ مشروط زیادتی رہا کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ زیادتی بغیر کسی عوض کے ہے، رہا چاہے حقیقی ہو یا شبہ رہا ہو۔ دونوں سے بچنا ضروری ہے اور یہ (رہا) تب لازم ہوگا جب قرض میں یہ زیادتی مشروط ہو۔“

اسی طرح ”المبتدع“ میں ہے:

”کل قرض شرط فیہ زیادة فهو حرام إجماعاً“ (۲۳)

”ہر وہ قرض جس میں زیادتی مشروط ہو۔ وہ بالاجماع حرام ہے۔“

مذکورہ فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دیون میں تاخیر کرنے پر اضافی مال کی شرط لگانا چونکہ رہا اور سود پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ شرط باطل اور فاسد ہے، جس کا عقد تقاضہ بھی نہیں کرتا، اور مذکورہ شرط کے فساد میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ کیونکہ یہ ”شرط جزائی“ اس زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے جو مدیون دین میں تاخیر کی وجہ سے بطور عوض ادا کرتا ہے اور یہ زیادتی چونکہ اصل عقد میں مشروط ہوتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں ہوتا اور مشروط زیادتی بغیر عوض کے چونکہ رہا ہے، اس وجہ سے فقہائے کرام نے اس شرط جزائی کو فاسد قرار دیا ہے۔ (۲۴)

اسی طرح مذکورہ شرط کے بارے میں مجلس المجمع الفقہی میں اتفاق ہوا ہے کہ یہ شرط فاسد اور باطل ہے، کیونکہ یہ رہا اور سود پر مشتمل ہے۔ چنانچہ مجلہ الجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں ہے:

”ان الدائن اذا شرط على المدين، أو فرض عليه، أن يدفع له مبلغاً من المال غرامة مالية جزائية محددة أو نسبة معينة اذا تأخر عن السداد في الموعد المحدد بينهما، فهو شرط، أو فرض باطل ولا يجب الوفاء به بل ولا يحل سواء كان الشارط هو المصروف أو غيره لأن هذا بعينه هو ربا الجاهلية الذي نزل القرآن بتحريمه.“ (۲۵)

”جب دائن مدیون پر یہ شرط لگالے یا اس پر یہ بات لازم کر دے کہ وہ دائن کو اپنی مقررہ مدت میں دین ادا کرنے میں تاخیر کی وجہ سے مالی جرمانہ کے طور پر کوئی مال دے گا یا کوئی مخصوص نسبت مقرر کر کے جرمانہ دے گا تو یہ شرط باطل ہے، جس کی پاسداری ضروری نہیں بلکہ یہ جائز بھی نہیں، چاہے شرط لگانے والا کوئی بینک ہو یا کوئی اور ہو اور یہ بعینہ وہی رہا ہے جو زمانہ جاہلیت میں تھا جس کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا ہے۔“

مذکورہ مباحث سے یہ واضح ہوا کہ ”شرط جزائی“ جو دین میں تاخیر کی وجہ سے بطور عوض مالی یعنی مالی جرمانہ کے طور پر لاگو کی جاتی ہے اور اس کا عام رواج مارکیٹ، مروجہ سودی بینکوں اور کمپنیوں میں ہوتا ہے، چونکہ یہ ایسے سود پر مشتمل ہے جو نصوص قطعیہ اور اجماع اُمت سے ناجائز اور حرام ہے۔ اس لیے ہر وہ ”شرط جزائی“ جو دیون میں اضافی مال کی متقاضی ہو وہ فاسد اور باطل ہے۔

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

اور معاملہ کو بھی فاسد کر دیتی ہے۔

شرط جزائی کی عصری تطبیقات اور اثرات

بیع المؤجل (Deffererd Sale) میں شرط جزائی کی صورت اور اس کا حکم

شرط جزائی کی صورت

بیع المؤجل میں ”شرط جزائی“ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دس لاکھ روپے کی ایک گاڑی کو فروخت کر کے خریدار کے حوالے کیا۔ اس نے ثمن کی ادائیگی کے لیے تین مہینے کا وقت مقرر کیا اور خریدار کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ شرط بھی لگا دی کہ اگر مقررہ وقت پر آپ نے ثمن ادا نہیں کیا تو بطور جرمانہ اتنے روپے اضافی دینے پڑیں گے۔ تو اب بیع المؤجل میں اس طرح شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حکم

شرعیہ مطہرہ میں یہ شرط یا اس جیسی دیگر شرائط ناجائز اور حرام ہیں، کیونکہ یہ شرط صریح ربا پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ دین میں تاخیر کی بنیاد پر اضافی روپے دینے کی شرط لگانے کا حکم اس سے پہلے بیان ہوا ہے اور اس میں دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یہ شرط سود پر مشتمل ہے۔ اس لیے ناجائز اور حرام ہے۔ لہذا یہ شرط جس معاملے کے اندر پائی جائے تو اس معاملے کو بھی فاسد بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں المعاملات المالیہ میں ہے:

لا يجوز الشرط الجزائي في العقود التي يكون الالتزام الأصلي فيها ديناً، فإذا اتفق

الدائن مع المدين على تعويضه مبلغاً معيناً عن كل يوم تأخير فإن هذا الشرط لا يجوز

شرعاً باتفاق الفقهاء لانه صريح الربا. (۲۶)

”ادھار معاملات میں شرط جزائی جائز نہیں، لہذا دائن اور مدين کا ہر دن کی تاخیر کے بدلے کوئی معین

عوض دینے پر اتفاق کر لینا بالاتفاق جائز نہیں، کیونکہ یہ صریح ربا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بیع المؤجل میں تاخیر کی بناء پر اضافی مال کی شرط لگانا ناجائز ہے جو کہ صریح ربا پر مشتمل ہے۔

بیع التقسيط میں شرط جزائی کی صورتیں اور ان کا حکم

بیع التقسيط میں چونکہ دین قسط وار ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں متعاقبین بہت ساری شرائط بھی لگا لیتے ہیں تاکہ بعد میں اس معاملہ میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور ان شرائط کے ساتھ معاملہ کرنے کی مختلف صورتوں کا ذیل میں حکم بیان کیا جاتا ہے:

☆ پہلی صورت: قسطوں (Installments) میں تاخیر کرنے پر زیادتی کی شرط لگانا

بینک وغیرہ نے ایک بڑی کمپنی کو قسطوں پر فروخت کی اور اس معاملہ میں یہ شرط لگا دی کہ اگر کمپنی (خریدار) نے مقررہ مدت تک قسط ادا نہیں کی تو وہ قسط میں تاخیر (Delay) کی وجہ سے اضافی رقم ادا کرے گی، تو کیا یہ شرط شرعی اعتبار سے درست

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

ہے یا نہیں؟ اور اس کا مذکورہ معاملہ پر کیا اثر مرتب ہوگا؟
حکم

قسطوں (Instalments) کا معاملہ چونکہ حقیقت میں دین کا معاملہ ہے اور اس کے بارے میں پہلے بھی یہ بات تفصیل سے گزر گئی ہے کہ دین میں اضافی مال کی شرط لگانے میں صریح ربا اور سود ہے۔ اس لیے یہ شرط لگانا درست نہیں اور جس عقد میں یہ شرط پائی جائے شرط سمیت وہ عقد فاسد اور باطل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی جلد (۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس کے ایک اجلاس میں بیع القسط کے بارے میں چند قراردادیں منظور ہوئیں، جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر مدیون قسطوں کے مقررہ وقت میں تاخیر کرے تو اس میں اضافی مال مدیون پر لازم کرنا جائز نہیں، خواہ یہ شرط عقد سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ یہ صریح ربا پر مشتمل ہے۔ چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد نمبر: ۵۳ (۲/۶) میں ہے:

إذا تأخر المشتري المدين في دفع الأقساط عن الموعد المحدد فلا يجوز الزامه أي

زيادة على الدين بشروط سابق سابق أو بدون شرط لأن ذلك ربا محرم. (۲۷)

”مدیون مشتری کو قسطوں کی ادائیگی میں اپنے مقررہ وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں دین سے زائد

مال کی ادائیگی کا پابند کرنا جائز نہیں، خواہ یہ زیادتی مشروط ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ ربا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔“

اسی طرح اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگرچہ مدیون مامطل (Procrastinator) کے لیے دین اور قسط دینے میں ٹال مٹول سے کام لینا ناجائز ہے، لیکن اس کے باوجود دائن کے لیے شرعاً یہ جائز نہیں کہ وہ دین میں تاخیر کی وجہ سے اس پر عوض (Consideration) دینے کی شرط لگا دے، جیسا کہ مجمع الفقہ الاسلامی کی درج ذیل قرارداد میں یہ مذکور ہے:

يحرم على المدين المملئ أن يماطل في أداء ما حل من الأقساط و مع ذلك لا يجوز

شرعاً اشتراط التعويض في حالة التأخر عن الأداء. (۲۸)

”وسعت رکھنے والے مدیون کے لیے قسطوں کی ادائیگی میں اپنے وقت مقررہ سے تاخیر کرنا حرام ہے۔“

تاہم اس کی تاخیر کرنے کے باوجود بھی اس پر زائد عوض کی شرط لگانا جائز نہیں۔“

☆ دوسری صورت: قسطوں میں تاخیر در تاخیر زیادتی کی شرط لگانا

دوسری صورت یہ ہے کہ جس میں متعاقدین (Contractors) کم اور زیادہ تاخیر کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر کوئی تاخیر سے ادائیگی (Payment) کرتا ہے تو اس پر اضافی رقم تاخیر کے حساب سے لازم ہوتی ہے، مثلاً کسی نے یہ کہا کہ میں آپ کو دس لاکھ روپے میں گاڑی فروخت کرتا ہوں، لیکن اگر آپ نے قسط ادا کرنے میں ایک مہینہ تاخیر سے کام لیا تو مزید پانچ ہزار روپے دینا لازمی ہوں گے، اور اگر دو مہینے تاخیر کی تو پھر دس ہزار روپے دینا لازمی ہوں گے۔ اب اس طرح شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

حکم

اس صورت میں بھی چونکہ معاملہ وہی دین کا ہے۔ اس لیے ایسی شرط لگانا بار کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ چنانچہ
'الدکتور خالد بن المشیخ' لکھتے ہیں:

اشترط الزيادة عند التأخير يقول: بعثك السيارة بعشرة آلاف ريال فإن تأخرت عن
التسديد لمدة شهر زدتك مائة فإن تأخرت شهرين زدتك مائتين وهكذا، فهذا
محرم ولا يجوز لأن هذا هو ربا الجاهلية. (۲۹)

”تاخیر کے وقت اضافی رقم دینے کی شرط لگانا جیسا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں آپ کو دس ہزار ریال میں
گاڑی فروخت کرتا ہوں، لیکن اگر آپ نے قسط ادا کرنے میں ایک مہینہ تاخیر سے کام لیا تو سو ریال دینا
لازمی ہوں گے اور اگر دو مہینے تاخیر کی تو پھر دس سو ریال دینا لازمی ہوں گے، پس اس طرح کرنا ناجائز اور
حرام ہے کیونکہ یہ بعینہ زمانہ جاہلیت ہی کا سود ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شرط چونکہ ربا اور سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔ لہذا فاسد شرط جس عقد میں بھی پائی
جائے تو اس کی وجہ سے وہ عقد بھی فاسد ہوتا ہے۔ نیز بیع التفسیط میں تاخیر (Delay) کی وجہ سے اضافی مال کو لازمی قرار دینا خواہ
کس طرح بھی ہو جائز نہیں۔

☆ تیسری صورت: قسطوں میں ”ضع وتعجل“ کی شرط لگانا

تیسری صورت ”ضع وتعجل“ شرط کی ہے۔ ”ضع وتعجل“ ایک فقہی اصطلاح (Idiom) ہے، جس کے معنی ہے کہ ”کچھ
ساقط کرو اور جلدی حاصل کرلو“ یعنی اگر کوئی قسطوں میں یا اس کے علاوہ دیگر دیون مؤجلہ میں یہ شرط لگا دے کہ مدیون اگر دین
جلدی ادا کر دے تو اس کے مقابلے میں اس کے ذمے واجب الاداء رقم میں کچھ کمی کر دی جائے گی۔ مثلاً کوئی اپنے مدیون کے ساتھ
یہ شرط لگا دے کہ اگر آپ نے مقررہ قسطوں میں سے فی الحال اسی (۸۰) فیصد ادا کر دیا تو ان میں سے بقیہ بیس (۲۰) فیصد آپ
کو معاف ہیں۔ تو دیون میں ایسی شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حکم

”ضع وتعجل“ کی شرط چونکہ دیون مؤجلہ میں لگائی گئی ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں جیسا کہ اس کے بارے میں ”علامہ ابن
قدامہ“ لکھتے ہیں:

إذا كان عليه دين مؤجل فقال: لغريمه ضع عني بعضه واعجل لك بقیته لم یجز (۳۰)
”جب کسی کا دوسرے کے ذمے کوئی دین ہو تو وہ اپنے دائن (قرض خواہ) سے کہدے کہ مجھ سے کچھ کم
کر دو تو بقیہ جلدی ادا کروں گا، تو یہ جائز نہیں۔“

مذکورہ شرط کے جائز اور ناجائز ہونے میں اگرچہ رائے مختلف ہے، لیکن اکثر فقہائے کرام (Islamic jursts) نے

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

حرمیت کے قول کو رائج قرار دیا ہے، کیونکہ دیون میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اگر کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر بھی سود کا حکم لگے گا۔ چنانچہ اس بارے میں ”مفتی تقی عثمانی صاحب“ مختلف روایات اور عبارات تحریر کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

ورجیح جمهور الفقهاء جانب الحرمة ، لأن زيادة الدين في مقابلة التأجيل ربا صراح ،
فكذلك الحط من الدين بازاء التعجيل في معناه . (۳۱)

”اور فقہائے کرام نے حرمت کی جانب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ تاخیر کے مقابلے میں دین میں زیادتی

کرنا صریح سود ہے تو اسی طرح دین میں تعجیل کے مقابلے میں کچھ کمی کرنا بھی سود ہوگا۔“

اسی طرح ”الدكتور السالون“ نے بھی مذکورہ شرط کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، مذاہب اربعہ اور جمہور علما کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اما الذين لم يجيزوا وضع وتعجل فهم عامة الصحابة والتابعين رضي الله عنهم ،
والائمة الاربعة وجمهور الفقهاء (۳۲)

”جنہوں نے ”وضع تعجل“ کو جائز قرار نہیں دیا وہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ہیں۔“

اگر یہ شرط دیون حالہ (Lone) میں لگ جائے تو یہ جائز ہوتی ہے کیونکہ دیون حالہ اور مؤجلہ میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ دیون مؤجلہ (Credit) کے عوض میں مدت شرط ہوتی ہے، جبکہ دیون حالہ میں مدت شرط نہیں ہوتی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تاخیر مدیون کا حق نہیں ہوتا، جب اس میں مدت شرط نہیں تو اس میں اگر کچھ معاف بھی کر دیا جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مدت کے عوض چھوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں مدت شروع سے منقذی ہے اور اس میں فقہائے کرام کا رائج قول یہی ہے کہ دیون حالہ میں ”وضع تعجل“ کی شرط (جلدی ادا کرنے کی شرط پر کم کر دینا) جائز ہے، کیونکہ اس میں سود کی خرابی نہیں پائی جاتی۔ البتہ دیون مؤجلہ (فتنوں پر خرید و فروخت) میں ”وضع تعجل“ کی شرط ناجائز ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ جہاں پر علمائے کرام نے مذکورہ شرط کے بارے میں عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے، وہاں پر انہوں نے اسے دیون مؤجلہ کی قید کے ساتھ مقید بھی کیا ہے۔ (۳۳) اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر عقد میں باقاعدہ طور پر اس شرط کو ملحوظ نظر رکھا جائے تو پھر مذاہب اربعہ میں جائز نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں ”فقہ البیوع“ میں ہے:

ومما يتعامل به بعض التجار في الدين المؤجلة انهم يسقطون حصة من الدين بشرط
أن يعجل المديون باقيه قبل حلول الأجل ، مثل أن يكون لزيد على عمرو ألف ،
فيقول زيد : عجل لي تسعمائة ، وأنا أضع عنك مائة ، وإن هذه المعاملة معروفة في
الفقه الإسلامي ”باسم وضع وتعجل“ هذا التعجيل إن كان مشروطاً بالوضع من الدين
فإن المذاهب الأربعة متفقة على عدم جوازه . (۳۴)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

”اور آجکل بعض تاجر حضرات کا دیون مؤجلہ میں یہ رواج اور معمول جاری ہے کہ وہ اپنے دین کا کچھ حصہ اس شرط پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بقیہ دین مدیون جلدی ادا کرے گا، مثال کے طور پر زید کا عمر پر ہزار روپے قرض ہے، زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تجھے سو روپے چھوڑ دیتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے نو سو روپے جلدی ادا کر دو۔ یہ معاملہ فقہ اسلامی میں ”ضع و تعجل“ کے نام سے مشہور ہے۔ اب اگر یہ تعجل دین میں کچھ کم کرنے سے مشروط ہے پھر اس کے عدم جواز پر مذاہب اربعہ متفق ہے۔“

مذکورہ مباحث سے معلوم ہوا کہ ”ضع و تعجل“ کی شرط لگانا رائج قول کے مطابق دیون مؤجلہ میں بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ یہ سود پر مشتمل ہے اور جو شرط سود پر مشتمل ہو، وہ فاسد ہوگی۔ اس لیے دیون مؤجلہ میں جہاں پر بھی یہ شرط پائی جائے گی، شرط سمیت معاملہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

شرط جزائی کے جائز متبادل

دین میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اضافی مال صدقہ (Charity) کرنے کی شرط لگانا

دین میں ”شرط جزائی“ کا حکم بیان کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ کوئی ایسی شرط لگانا جو اضافی مال پر مشتمل ہو خواہ تاخیر کے مقابلے میں ہو یا ضرر حقیقی کے مقابلے میں ہو، سود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ اب اگر کوئی سودی بینک (Conventional Bank) وغیرہ کوئی ادھار معاملہ کرتا ہے اور اس کا عمل (کلائنٹ) اس دین میں تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو اس کی وجہ سے اس پر اضافی سود لگو ہوتا ہے۔ اس لیے سودی بینک میں عام طور پر یہ ٹال مٹول کی پریشانی تقریباً نہیں پائی جاتی، اگر ہو بھی تو اس کا مذکورہ حل اس کے پاس موجود ہے، لیکن اگر غیر سودی بینک ادھار معاملہ اختیار کر لیتا ہے اور اس کا کلائنٹ اس میں ٹال مٹول کرتا ہے تو غیر سودی بینک اس پر تاخیر اور ٹال مٹول کی وجہ سے نہ اضافی رقم کا التزام (Undertaking) کر سکتا ہے اور نہ اس سے سود وصول کر سکتا ہے، کیونکہ مذکورہ تفصیل کے مطابق یہ شرط سود میں داخل ہے۔

اب اسلامی بینک کے لیے اس پریشانی کا ممکنہ حل کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض اہل علم حضرات نے یہ حل پیش کیے ہیں کہ تمام اسلامی بینکوں کو چاہئے کہ وہ آپس میں مل کے ٹال مٹول کرنے والے کو اپنی تمام تر سہولیات سے محروم کر دیں، اور ان کا نام بلیک لسٹ میں شامل کر دیا جائے اور تمام بینک ان سے معاملات ہی بند کر دیں اور یہ طریقہ اختیار کرنا بظاہر دین کی ادائیگی کے لیے وقتی طور پر بہت اچھا اور سود کی لعنت سے پاک اور بہتر طریقہ ہے، جو شرعاً بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ اگر کوئی تعزیری سزا بھی مقرر کر دی جائے تو وہ بھی ادائیگی دین کے لیے مدیون پر بہتر دباؤ ہے، لیکن یہ دونوں صورتیں بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی صورت اس لیے کہ اس پر تمام اسلامی بینکوں کا اتفاق کرنا ضروری ہے اور یہ اتفاق بظاہر مشکل ہے۔ دوسری صورت یعنی سزا اور تعزیر جاری کروانا تا تب ممکن ہے کہ عدالت میں فیصلے تیزی سے نمٹ جائیں، حالانکہ آجکل عدالتوں میں مقدمات کئی سالوں تک چلتے رہتے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ عملی طور پر مذکورہ دونوں طریقے اختیار کرنا فی الحال مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ تمام اسلامی ممالک میں یہ عمل بھی ممکن نہیں۔ (۳۵)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

اب وقتی اور عارضی طور پر اس مشکل کا حل اہل علم نے یہ پیش کیا ہے کہ مدیون (Debtor) کے ساتھ جب بینک معاملہ کرتا ہے اس وقت مدیون اپنے اوپر یہ التزام (Undertaking) کرے کہ وہ خیراتی فنڈ (Charity Fund) میں صدقہ دے گا یعنی وہ یہ کہے گا کہ اگر میں نے دین کی بروقت ادائیگی نہ کی تو اتنی رقم بینک کے خیراتی فنڈ میں صدقہ کے طور پر دوں گا گویا اس کا یہ عمل ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو میں اتنا صدقہ کروں گا۔ اگرچہ وہ مال بظاہر بینک کے کسی فنڈ میں جمع ہوگا، لیکن وہ حقیقت میں بینک کی ملکیت شمار نہیں ہوگا، بلکہ بینک اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ شرعی طور پر بطور وکیل یا نگران (Supervisor) اس رقم کو وفاہی کاموں میں صرف کرے گا، اور مدیون کا اس التزام میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنا نفع و نقصان ہوا ہے، بلکہ وہ مشروط صدقہ یعنی التزام کے طور پر اس کے علاوہ مقرر کیا جاتا ہے، جو کبھی اصل مال کے برابر یا اس سے زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور کبھی اس سے کم ہوتا ہے۔

اب شرعی نقطہ نظر سے اس طرح شرط لگانے کا کیا حکم ہے؟

حکم

اس شرط کے بارے میں علمائے معاصرین کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک جائز اور دوسرے کے نزدیک

ناجائز ہے۔

فریق اول: مجوزین

اسلامی بینک کے ساتھ مراحمہ (Sale on Cost plus) وغیرہ کے معاملات طے کرنے کے معاہدہ میں کلائنٹ اپنے اوپر یہ التزام (Undertaking) کرتا ہے کہ اگر میں نے تاخیر کی تو میں اتنی رقم صدقہ کے طور پر خیراتی فنڈ میں جمع کروں گا یا بینک کلائنٹ سے یہ التزام کرائے کہ اگر اس نے بروقت ادائیگی نہ کی تو وہ تبرعاً خیراتی کاموں کے لیے مخصوص فنڈ میں (اتنی رقم خواہ وہ دین کے تناسب سے ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو) بطور صدقہ جمع کرے گا اور اس قسم کی رقم کو سود بھی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ رقم بینک کی ملکیت میں نہیں ہوتی، بلکہ بینک اس کو شرعی مصارف کے طور پر خیراتی کاموں میں صرف کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے لیے ایک خاص قسم کا فنڈ بنادیا جائے، جو بینک کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ یہ خیراتی کاموں کے لیے وقف ہو اور بینک محض اس فنڈ کی سرپرستی اور نگرانی کرے جس کے مقاصد میں سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس سے ضرورت مند لوگوں کا تعاون کیا جائے یا حاجت مند لوگوں کو بطور قرض حسد دیا جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں ”مفتی محمد تقی عثمانی“ لکھتے ہیں:

وفی الوقت نفسه لا يعتبر هذا التبرع ربا، لأنه لا يدخل في ملك المصرف شيئا، بل يصرف الى الجهات الخيرية، ويمكن أن ينشأ لذلك صندوق خاص لا يكون مملوكا للمصرف، بل يكون وقفاً على بعض المقاصد الخيرية يتولاها أصحاب المصرف، ويكون من مقاصده أن يقدم منه قروض حسنة لأصحاب الحاجة (۳۶)

”اور اس وقت (یعنی بحالت موجودہ) مدیون سے بطور تبرع لی جانے والی رقم کو سود نہیں کہا جائے گا،

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

کیونکہ وہ رقم بینک کی ملکیت نہیں ہوگی، بلکہ اس کو خیراتی کاموں میں صرف کیا جائے گا اور یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس طرح کی رقم کے لیے خاص فنڈ قائم کر دیا جائے، جو بینک کی ملکیت نہ ہو، بلکہ خیراتی کاموں کے لیے وقف ہو اور بینک اس فنڈ کی سرپرستی کرے اور اس فنڈ کے مقاصد میں سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس سے ضرورت مند لوگوں کو بطور قرض حسنہ رقم دی جائے۔“

اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اس قسم کی شرط لگانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ مذکورہ شرط کے بارے میں ۱۴۱۲ھ عمان میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو یہ شرط لگا دے کہ اگر مدیون نے بغیر کسی عذر مقبول کے دین کی ادائیگی میں تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لیا تو وہ اتنی رقم فراہم کرے گا تا کہ وہ خیراتی فنڈ میں صرف کی جائے تو یہ شرط جائز ہے۔ چنانچہ قرارداد میں لکھتے ہیں:

يجوز أن يشترط على المدين دفع مبلغ من المال ليصرف في وجوه البر ، اذا تأخر عن سداد الدين بدون عذر مقبول . (۳۷)

”مدیون کو (معاملہ کرتے وقت) اس بات کا پابند کرنا جائز ہے کہ اگر وہ بغیر کسی معقول عذر کے دین کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا تو اس کو اپنے مال کی ایک معین مقدار خیراتی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے دینی ہوگی۔“

اسی طرح ”المعايير الشرعية لهيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية“، المعيار الشرعي رقم (۳) المدین المماثل میں ہے:

يجوز أن ينص في عقود المداينات مثل المراجعة على التزام المدين عند المماثلة بالتصدق بمبلغ، أو نسبة بشرط أن يصرف ذلك في وجوه البر بالتنسيق ، مع هيئة الرقابة الشرعية للمؤسسة . (۳۸)

”مراجہ کی طرح ادھار معاملات میں بھی جائز ہے کہ مدیون کو ٹال مٹول کرنے کی صورت میں اپنے مال کے کچھ معین حصہ یا دین کے تناسب سے ایک معین مقدار کو صدقہ کرنے کا پابند کیا جائے اور وہ رقم خیراتی کاموں میں ادارے کے شرعی نگران بورڈ کے ضابطہ کے مطابق خرچ ہوگی۔“

مجوزین کے دلائل

جن حضرات نے بینک کے معاملات طے کرنے میں مذکورہ شرط کے جواز کی گنجائش دی ہے۔ ان کے دلائل ذیل میں

ملاحظہ فرمائیں:

☆ پہلی دلیل

معاملات اور شروط میں اصل اباحت ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (۳۹)

”اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔“

☆ دوسری دلیل

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے:

”والمسلمون على شروطهم الا شرطا حرم حلالا أو حل حراما.“ قال: أبو عيسى

هذا حديث حسن صحيح (۴۰)

”اور (اسی طرح) مسلمان اپنی شرائط کے پابند رہیں گے، مگر ایسی شرط (کی پابندی جائز نہیں) جو کسی حلال چیز کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال کر دے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شرط میں نصوص اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی، بلکہ اس شرط سے بعض مقاصد شرعیہ کے حصول کی تائید ہوتی ہے، مثلاً کسی ظالم کے ظلم کو ختم کرنے اور زیادتی کرنے والوں کی زیادتی سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے پر یہ شرط مشتمل ہے۔ اس لئے اس شرط کی پاسداری ضروری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹال مٹول کرنے والوں کے لئے سزا، زجر اور توبیخ کو جائز قرار دیا ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اس پر ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے جرمانہ (Penalty) لازم کر دیا جائے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہو کہ اس پر شرعی خرابی کے بغیر کوئی جرمانہ عائد ہوتا ہو (اگر شرعی خرابی موجود ہو پھر یہ التزام درست نہیں) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۴۱)

مانعین کے دلائل

☆ پہلی دلیل

مانعین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ شرط چونکہ مدیون کی طرف سے ایسی زیادتی پر مشتمل ہے، جو دائن کے علاوہ کسی اور کو دی جاتی ہے، لیکن مدیون کی نسبت سے اس میں زیادتی پائی جاتی ہے، جو سود ہے۔ اس لئے یہ شرط لگانا درست نہیں۔

☆ دوسری دلیل

یہ شرط مالی سزا اور جرمانہ پر مشتمل ہے، حالانکہ مالی جرمانہ کے التزام والتزام میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ لہذا یہ شرط بھی درست نہیں۔

☆ تیسری دلیل

اس شرط کے التزام میں مالدار اور غریب کو کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ غریب کے لئے انتظار تونص قرآنی سے واجب

ہے۔ (۴۲)

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

مانعین کے دلائل کے جوابات

☆ پہلی دلیل کا جواب

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ سود میں مؤثر علت وہ زیادتی ہوتی ہے جو فریقین میں سے کسی ایک کے لیے ہو۔ لہذا مذکورہ صورت میں وہ زیادتی فریقین کے علاوہ یعنی خیراتی فنڈ کے لیے ہے۔ اس لیے اس کو وہ زیادتی قرار نہیں دیا جاسکتا جو سود کے لیے علت ہے، کیونکہ اس میں دائن کی نسبت سے زیادتی کے معنی نہیں پایا گیا، بلکہ نقصان کے معنی موجود ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں پر مؤثر علت کی عدم موجودگی کی وجہ سے سود نہیں پایا جاتا۔

☆ دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس التزام (Undertaking) کی حقیقت وعدہ کی ہے اور وعدہ دینا بالاتفاق لازم ہے، اور قضاء لازم ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے لیکن موجودہ دور میں ایفاء عہد کی عدم پاسداری اور دیانت داری کے فقدان کو دیکھ کر ضرورت کی بنیاد پر ان علماء کے قول پر عمل کرنا درست ہے، جن کے نزدیک وعدہ کو پورا کرنا قضاء بھی لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ ”علامہ شامی“ اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اذا المواعيد قد تكون لازمة فيجعل لازماً لحاجة الناس“ (۴۳)

”وعدے کبھی بکھار لازم ہوتے ہیں پس لوگوں کی حجت کے لیے لازم قرار دیا جائے گا۔“

☆ تیسری دلیل کا جواب

شرعی قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ حلت اور حرمت کا حکم ہر چیز کی اصلی حالت اور حقیقت پر لگتا ہے۔ لہذا مدیون اس وقت معاملہ اختیار کرتا ہے جب وہ مالدار ہوتا ہے، کیونکہ دین کسی چیز کے عوض میں ثابت ہوتا ہے۔ پس مدیون کی غربت معلوم کرنا اس کی طرف سپرد کردی جائے گی، اگر وہ غریب ہے پھر تو اس وقت اس کا حکم وہی ہے جو قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے، ورنہ حکم اصل حالت کی طرف راجع ہوگا۔ جیسا کہ ”المغنی“ میں ہے:

”من وجب عليه دين حال فطوبى له ولم يؤد به نظر الحاكم... فان عرف له مال لكون

الدين ثبت عن المعاوضة كالقروض والبيع أو عرف له أصل مال سوى هذا فالقول قول

غريمه مع يمينه.“ (۴۴)

”جس شخص پر دین کی ادائیگی فی الحال ضروری ہو اور وہ مطالبہ کے باوجود اس کو ادا نہ کرے، تو حاکم اس کو مہلت دے گا۔ پس اگر مدیون کا مال معروف ہو جیسا کہ قرض اور بیع میں دین، عوض مقرر کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے، (یعنی قرض لینا یا خریداری بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کے پاس مال ہے) یا اس صورت کے علاوہ فی نفسہ اس کا مال معروف ہو، تو اس صورت میں قرض خواہ کا قول بمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔“

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

راج قول

احقر کے نزدیک پہلا قول راج معلوم ہوتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے دلائل مضبوط ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شرط یعنی التزام میں سود اور ربا کا تحقق نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صدقہ کے طور پر اضافی مال ادا کرنا، دائن (بینک وغیرہ) کی ملکیت میں نہیں ہوتا بلکہ کسی فلاحی اور خیراتی فنڈ میں جمع ہو کر اسے عام لوگوں کے مصالح اور رفاہی کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ’مفتی محمد تقی عثمانی صاحب‘ لکھتے ہیں:

”وفی الوقت نفسه لا يعتبر هذا التبرع ربا، لانه لا يدخل فی ملک المصروف شیئا، بل

یصرف الی الجهات الخیرية.“ (۴۵)

”اور اس وقت (یعنی بحالات موجودہ) مدیون سے بطور تبرع لی جانے والی رقم کو سود نہیں کہا جائے گا۔“

خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ ”شرط“ یعنی التزام (Undertaking) چونکہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس لیے اس شرط کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ بحث

زیر نظر مقالے میں ”شرط جزائی“ کا تعارف اہمیت اور تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ معاملات کے اندر مدیون (Debtor) کی ٹال مٹول کے سد باب کے لیے ”شرط جزائی“ لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ متعاقدین معاملہ کرتے وقت یہ شرط لگالیتے ہیں کہ دین ادا کرنے میں تاخیر یا ٹال مٹول کی صورت میں مدیون جرمانے کے طور پر اضافی رقم یا اس کا عوض فراہم کرے گا۔ تاریخی اعتبار سے ”شرط جزائی“ کی اصطلاح قدیم فقہاء کے نزدیک موجود نہیں تھی، بلکہ اسے جدید قوانین سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں مزید درج ذیل نکات سامنے آئے ہیں۔

معاملات میں اس کا اہتمام اُس وقت کیا جاتا ہے جب ٹال مٹول کرنے والا مدیون مالدار ہو۔ البتہ اگر مدیون مجبور اور غریب ہو تو اس پر کسی بھی صورت میں تاخیر کرنے پر نہ مالی جرمانہ آئے گا اور نہ اس سے کسی مالی عوض کا مطالبہ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔“ (۴۶)

شرط جزائی میں بنیادی طور پر یہ باتیں قابل توجہ ہیں:

..... شرط جزائی سے مراد وہ ہے جو دین میں تاخیر یا ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے مدیون پر اضافی رقم ادا کرنے کی شرط لگادی جائے، اور یہ بالاتفاق سود اور ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

..... اسی طرح اس شرط کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو بعض اہل علم نے ادھار معاملات میں ٹال مٹول کی پریشانی کے سد باب کے لیے بطور حل اس کے جواز کی گنجائش دی ہے، مثلاً عصر حاضر میں اسلامی بینک اس ٹال مٹول کی پریشانی سے بچنے کے لیے ادھار معاملات (مراہمہ وغیرہ) کے ایگریمنٹ میں اس شق کا اضافہ کرتے ہیں کہ مدیون معاملہ کرتے وقت اپنے اوپر خیراتی فنڈ میں

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

صدقہ (Charity) دینے کا التزام (Undertaking) کرے گا۔

..... اس کے علاوہ عصر حاضر میں ادھار معاملات میں ”شرط جزائی“ کی چند تطبیقات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، جن میں دلائل کے ساتھ یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ شرائط بھی صریح سود اور ربا پر مشتمل ہیں۔ اس لیے یہ فاسد اور ناجائز ہیں۔ جس معاملے میں ”شرط جزائی“ پائی جائے اسے بھی فاسد بنا دیتی ہے۔

مصادر و مراجع

- ۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور، الفرق المصری: (المتوفی عام ۱۱۷۵ھ) لسان العرب، باب الضمین، الناشر: دارصادر، بیروت، الطبعة الاولى، ج ۷، ص ۹۲۳
- ۲۔ بدران، عبدالقادر بن احمد بن مصطفیٰ بن عبدالرحیم بن محمد، علامہ: (المتوفی ۱۳۳۶ھ)، المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل، تحقیق: محمد امین ضناوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الاولى: ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶م، ج ۱، ص ۷
- ۳۔ ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، الفرق المصری (المتوفی عام ۱۱۷۵ھ) لسان العرب، مادة: جزی، الناشر: دارصادر، بیروت، الطبعة الاولى، ج ۱۴، ص ۱۴۵
- ۴۔ ابن فارس، ابو الحسن بن احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغة، باب: جزی، المحقق: عبدالسلام محمد ہارون، الناشر: دارالفکر، البجہ، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹م، ج ۱، ص ۴۵۵
- ۵۔ الزحلی، محمد، الدكتور، موسوعة قضایا اسلامیہ معاصرة، دمشق، داراللمکتبی، الطبعة الاولى: ۲۰۰۹ء، ۱۴۳۰ھ، جلد ۵، ص ۱۹۲
- ۶۔ الضریح محمد الامین الصدیق، الدكتور، الشرط الجزائی: بحث مقدم لمجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامی بجدہ، العدد الثانی عشر، (۱۲-۲۹۱) ۱۴۲۱ھ
- ۷۔ السنہو ری، عبدالرزاق احمد، الدكتور، الوسیط فی شرح القانون المدنی، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ج ۲، ص ۸۵۱
- ۸۔ شعبان، زکی الدین، الدكتور، نظریۃ الشرط المقترنہ بالعقد، دارالنهضة العربیہ، القاہرہ، مصر، الطبعة الاولى: ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۱
- ۹۔ Ahsan Sohail Anjum, A commentary of the contract Act 1872 section 74, Pakistan, Mansoor Books House Katchery Road Lahore
- ۱۰۔ حوالہ بالا، الضریح محمد الامین الصدیق، ایضاً مجمع الفقہ الاسلامی، العدد الثانی عشر، ۱۲-۵۰۵-۱۴۲۱ھ
- ۱۱۔ الرویشد، عبدالرحمن سعد، الدكتور، الشرط الجزائی فی الفقہ الاسلامی، رسالہ دکتورہ، کلیۃ الحقوق، جامعۃ القاہرہ، الطبعة: ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۴ھ، ص ۵۲
- ۱۲۔ محمد بن عبدالعزیز بن سعد البعینی، الشرط الجزائی واثرہ فی العقود المعاصرة، رسالہ دکتورہ، جامعۃ الملک سعود، ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴م، ج ۱، ص ۶۵
- ۱۳۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، بہامش فقہ البیوع علی المذاهب الاربعہ مع تطبیقات معاصرة مقارنا بالقوانین الوضعیہ، کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراچی، پاکستان، الطبعة الاولى: ۱۴۳۶ھ، ۲۰۱۵ء، ج ۱، ص ۶۱۰
- ۱۴۔ لا متوقع وجود نص فی القرآن اوالسنۃ اوقول الصحابی اوفقیہ من المتقدمین فی حکم الشرط الجزائی الذی یناقضہ فی القانون علی الوجہ السابق، لکن ہل یوجد شیمہ للشرط الجزائی فیہ نص، یمکن ان یتقاس علیہ الشرط الجزائی؟ حوالہ بالا: الضریح، محمد الامین الصدیق، ایضاً: مجمع الفقہ الاسلامی، العدد الثانی عشر (۱۲-۲۹۹-۱۴۲۱ھ)
- ۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ الحنفی، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ۔ صحیح البخاری، باب ما یجوز من الاشرط و

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

- ۱۸۔ البقرة: ۲۰-۲۸
- ۱۹۔ الخطاب، شمس الدین، أبو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسی المغربي، المعروف بالخطاب الرضیعی المالکی (المتوفی: ۹۵۴ھ) تحریر الکلام فی مسائل التزام، المحقق: عبد السلام محمد الشریف، الناشر: دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴م، ج ۱، ص ۱۷۶
- ۲۰۔ ابن عبد البر، أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری القرطبی (المتوفی: ۴۶۳ھ) الکافی فی فقہ أهل المدينة المالکی، المحقق: محمد أحمید ولد مادیك الموریتانی، الناشر: مکتبة الرياض الحديثية، الرياض، المملكة العربية، السعودية، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۶۳۳
- ۲۱۔ النووی، روضة الطالبین، وعمدة المفتین، الناشر، المکتب الاسلامی، الطبعة: ۱۴۰۵ھ، بیروت، ج ۳، ص ۳۴
- ۲۲۔ الکاسانی، علاء الدین، أبوبکر بن مسعود بن أحمد الکاسانی الحنفی، علامة: (المتوفی: ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، فصل: وأما الشرائط فأشوا: الناشر، دار لکتاب العربی، الطبعة: ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲م، ج ۷، ص ۳۹۵
- ۲۳۔ ابن مفلح، ابراهیم بن محمد بن عبد اللہ بن محمد، أبوسحاق، برهان الدین (المتوفی: ۸۸۴ھ) المبدع شرح المقنع، الناشر: دار عالم الکتب، الرياض، الطبعة: ۱۴۳۳ھ، ۲۰۱۳م، ج ۴، ص ۷۹
- ۲۴۔ الدكتور علی محمد الحسین الصوا، الشرط الجزائی فی الدیون دراسة فقهية مقارنت: غیر مطبوع، Pdf، ص ۲۴
- ۲۵۔ مجلس مجمع الفقه الاسلامی، لرابطة العالم الاسلامی مکتبة، الدورة الحادية عشرة: القرارات الثامن: (۸-۱۱) المنعقد بمکتبة المکرمة، فی الفترة من يوم الأحد ۱۳ رجب ۱۴۰۹م الموافق ۱۹ فبراير ۱۹۸۹م) مجلّة الفقه الاسلامی، ج ۱، ص ۳۱۴
- ۲۶۔ الدبیان، أبوعمر بن محمد، المعاملات المالية اصالة ومعاصرة، تقديم مجموعة من المشايخ، الدكتور عبد اللہ بن عبد الحسین التركي، الشيخ: الدكتور صالح بن عبد اللہ بن حمید، الشيخ: محمد بن ناصر العبدی، الشيخ: صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، الناشر: مکتبة الملك فهد الوطنية، الرياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة: الثانية: ۱۴۳۲ھ، ج ۵، ص ۵۰۳
- ۲۷۔ مجلس مجمع الفقه الاسلامی المنعقد فی دورة مؤتمرة السادس بجدة فی المملكة العربية السعودية، مجلّة مجمع الفقه الاسلامی، قرار د نمبر: ۵۳ (۲-۶) من ۱۱ الى ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ، الموافق ۱۴۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م، ج ۶، ص ۳۲۱
- ۲۸۔ مجلس مجمع الفقه الاسلامی المنعقد فی دورة مؤتمرة السادس بجدة فی المملكة العربية السعودية، مجلّة مجمع الفقه الاسلامی، قرار د نمبر: ۵۳ (۲-۶) من ۱۱ الى ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ، الموافق ۱۴۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م، ج ۶، ص ۳۲۱
- ۲۹۔ الشيخ، الشيخ خالد بن علی، الدكتور، المعاملات المالية المعاصرة، شرح من دروس الدورة العملية بمسجد الراجحي، بمدينة بريدة عام ۱۴۲۲ھ، ص ۱۸
- ۳۰۔ ابن قدامة، عبد اللہ بن أحمد بن قدامة المقدسی أبومحمد، علامة، المغنی فی فقہ الامام أحمد بن حنبل الطیبانی، الناشر: دار الفکر، بیروت، الطبعة: الأولى: ۱۴۰۵ھ، ج ۴، ص ۱۸۹
- ۳۱۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، بحوث قضایا فقهية معاصرة، دار القلم، دمشق، الطبعة: ۱۴۳۳ھ، ۲۰۱۳ء، ج ۱، ص ۲۶
- ۳۲۔ السالوس علی أحمد، الاقتصاد الاسلامی والقضایا فقهية معاصرة، دار الثقافة، الدوحة، قطر، الطبعة: ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء، ج ۲، ص ۵۶۹
- ۳۳۔ حوالہ بالا: عثمانی: أیضاً: بحوث قضایا فقهية معاصرة:، ج ۱، ص ۳۰
- ۳۴۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، فقہ البیوع علی المذاهب الأربعة مع تطبیقات معاصرة مقارنا بالتواثیم الوضعیة، کراچی، مکتبة معارف القرآن کراچی، پاکستان، الطبعة: ۱۴۳۶ھ، ۲۰۱۵ء، ج ۱، ص ۵۳۶

شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات (ایک شرعی جائزہ)

- ۳۵۔ حوالہ بالا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایا فقہیہ معاصرہ:، ج ۱، ص ۴۴
- ۳۶۔ حوالہ بالا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایا فقہیہ معاصرہ:، ج ۱، ص ۴۴
- ۳۷۔ عبدالکریم، محمود احمد رشید، الشامل فی معاملات و عملیات المصارف الاسلامیہ، الطبعة الأولى، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء، ص ۳۸۲
- ۳۸۔ المعاییر الشرعیہ لہیئہ المحاسبہ والمراجعة، للمؤسسات المالیه الاسلامیہ، المعیار الشرعی رقم (۳) المدین المہطل: ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء، (۱-۲) ص ۲۶
- ۳۹۔ المائدہ: ۶-۱
- ۴۰۔ ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ الترمذی السلی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۵۲، تحقیق: أحمد محمد شاكر وآخرون، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۳، ص ۶۳۴
- ۴۱۔ الدكتور یوسف بن عبداللہ الشیبلی، الخدمات المصرفیة لاستثمار أموال العملاء وأحكامها فی الفقہ الاسلامی، الطبعة: ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء، ج ۱، ص ۶۶۰
- ۴۲۔ حوالہ بالا: الدكتور یوسف بن عبداللہ الشیبلی، ایضاً: الخدمات المصرفیة لاستثمار أموال العملاء وأحكامها فی الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۶۶۰
- ۴۳۔ ابن عابدین، محمد ائین (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فقہ ابو حنیفہ، الناشر: دار الفکر، بیروت: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰م، ج ۵، ص ۸۴
- ۴۴۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن أحمد بن قدامہ المقدسی أبو محمد، علامہ، المغنی فی فقہ الامام أحمد بن حنبل الشیبانی، الناشر: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولى، ۱۴۰۵ھ) بحوالہ الدكتور یوسف بن عبداللہ الشیبلی، الخدمات المصرفیة لاستثمار أموال العملاء وأحكامها فی الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۶۶۰، ۶۶۱، الطبعة، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء، ج ۳، ص ۵۴۴
- ۴۵۔ حوالہ بالا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایا فقہیہ معاصرہ:، ج ۱، ص ۴۴
- ۴۶۔ البقرہ: ۲-۲۸۰